Al-Mīthāq *(Research Journal of Islamic Theology)*
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 03, **Issue** 03, October-December 2024, **PP**: 332-344
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article QR

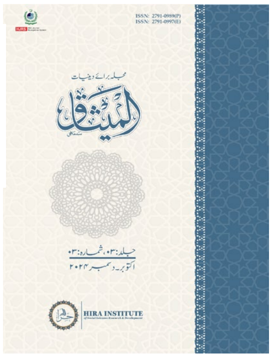

تحفۃ الابرار للبیضاوی کا منہج واسلوب: تجزیاتی مطالعہ

The Methodology of Tuḥfat-al-Abrār by Al-Baiḍāwī: An Analytical Study

1. **Hafiz Muhammad Ibrahim**
hafizibrahim1990@gmail.com
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, University of Sargodha.

2. **Dr. Farhat Naseem Alvi**
farhat.naseem@uos.edu.pk
Chairperson, Department of Islamic Studies, University of Sargodha.

How to Cite: Hafiz Muhammad Ibrahim and Dr. Farhat Naseem Alvi. 2024: "The Methodology of Tuḥfat-al-Abrār by Al-Baiḍāwī: An Analytical Study". *Al-Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 3 (03): 332-344.

Article History:

Received:	Accepted:	Published:
02-12-2024	27-12-2024	31-12-2024

Copyright: **©The Authors**

Licensing: This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

Conflict of Interest: Author(s) declared no conflict of interest.

Abstract & Indexing

Publisher

HIRA INSTITUTE
of Social Sciences Research & Development

تحفۃ الابرار للبیضاوی کا منہج و اسلوب: تجزیاتی مطالعہ

The Methodology of Tuḥfat-al-Abrār by Al-Baiḍāwī: An Analytical Study

1. **Hafiz Muhammad Ibrahim**
   PhD Scholar, Department of Islamic Studies, University of Sargodha.
   hafizibrahim1990@gmail.com

2. **Dr. Farhat Naseem Alvi**
   Chairperson, Department of Islamic Studies, University of Sargodha.
   farhat.naseem@uos.edu.pk

Abstract

This paper offers an introductory and analytical overview of Tuḥfat-al-Abrār, a Ḥadīth commentary written by Imām Al-Baiḍāwī (رحمہ اللہ). Though the book is commonly known as Sharḥ al-Maṣābīḥ, several bibliographers, such as Ḥājī Khalīfa and ʻUmar Riḍa Kaḥḥālah, have referred to it as Tuḥfat-al-Abrār—a title taken from the author's own description of the book as a "gift" in the preface. The book's authorship is authentically attributed to Imām Al-Baiḍāwī and is recognized by scholars. In this commentary, the author discusses 1599 Ḥadīths using a refined and concise style. He begins with four scholarly introductions (muqaddimāt), where he outlines key concepts. The work includes detailed discussions on the science of Ḥadīth (*Uṣūl al- Ḥadīth*), chains of narration (*isnād*), theological and sectarian issues, grammar, morphology, names of people and places, legal schools of thought (*madhāhib*), and positions of the Companions and Followers. Imām Al-Baiḍāwī often supports his explanations with references from the Qur'ān and Ḥadīth, and he also addresses topics of spirituality (*taṣawwuf*) and soul purification (*tazkiyah*). His approach is mainly independent and ijtihādī, though he occasionally refers to earlier sources like al-Fā'iq, Maʻālim al-Sunan, and al-Ṣiḥāḥ. This study highlights the key features of Imām Al-Baiḍāwī's style and method in Tuḥfat-al-Abrār, including the book's purpose, refined language, structured introductions, and its analytical treatment of Ḥadīth, belief issues, narrators, and sectarian perspectives. The commentary has been used as a valuable reference by many later scholars due to its depth and clarity.

Keywords: *Tuḥfat-al-Abrār, Ḥadīth, Commentary, Ḥadīth Sciences, Style.*

تمہید و تعارف

سوانح نگاروں نے اس کتاب کا نام شرح المصابیح ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ تاج الدین السبکی نے لکھا ہے:

صاحب الطوالع وشرح المصابيح في الحديث۔[1]

آپ کی کتاب الطوالع اور حدیث میں شرح المصابیح ہے۔

اسی طرح تقریباً تمام مصادر میں ایسا ہی ہے۔ خود مصنف نے بھی کسی جگہ کتاب کا نام تحفۃ الابرار ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ اس کے خطی نسخوں پر بھی نام شرح المصابیح ہی رقم ہے۔ اس کا تذکرہ محقق سراج الاسلام نے کیا ہے۔[2] انہوں نے اس کا تصویری عکس جو پیش کیا ہے۔ اس پر بھی شرح المصابیح میں لکھا ہے۔ یہ نام حاجی خلیفہ نے لفظ قیل اور عمر رضا کحالہ نے تصریح کے ساتھ نقل کیا ہے۔ کشف الظنون میں ہے:

وشرحه ایضا القاضي البیضاوی ، قیل اسمه تحفة الابرار۔[3]

اور اس کی شرح بھی قاضی بیضاوی نے کی ہے جس کا نام تحفۃ الابرار بتایا جاتا ہے۔

ایسے ہی معجم المؤلفین میں ہے:

من مصنفاته الکثیرة ..... وشرح مصابیح السنة للبغوی سماه تحفة الابرار۔[4]

آپ کی کتب کثیر ہیں۔ ان میں بغوی کی مصابیح السنہ کی شرح بھی ہے جس کا نام تحفۃ الابرار رکھا ہے۔

اس نام کی وجہ امکانی حد تک یہ ہو سکتی ہے کہ خود امام بیضاویؒ نے مقدمۃ الکتاب میں ایک لفظ تحفہ بولا ہے۔ اسی سے یہ نام معروف ہوا ہے۔ امام بیضاویؒ لکھتے ہیں:

لیکون تحفة لمن سمت همته إلی اقتباس المعالم الدینیة واقتناص المعارف القدسیة۔[5]

میں نے مصابیح السنہ کی مشکلات کے حل اور اسرار ورموز کے کشف کیلئے شوق رکھتے ہوئے یہ کاوش کی ہے تا کہ یہ ایسے افراد کیلئے ایک تحفہ بن سکے۔ جن کی دینی معالم اور قدسی معارف کے حصول کیلئے ہمتیں بلند ہیں۔

اس لفظ سے اس نام کا انتخاب معلوم ہوتا ہے۔

نسبتِ کتاب

یہ کتاب امام بیضاوی کی ہے جس کے بہت سے دلائل ہیں۔ سب سے قوی دلیل خود امام بیضاویؒ نے پہلے مقدمہ میں اپنی روایت اور سند ذکر کی ہے اور واضح کیا ہے کہ میں نے اسے اپنے والد سے پڑھا ہے اور امام بغوی تک مکمل سند نقل کی ہے پھر خود ابتدا میں اپنی تحریر کا مقصد واضح کرتے ہوئے المصابیح کی مشکلات کے کشف کو ظاہر کیا ہے۔ اسی طرح سوانح نگاروں نے بھی اس کتاب کو آپ کی جانب منسوب کیا ہے جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا۔ نام کا اختلاف ضرور ہے لیکن نسبت میں کوئی شک نہیں۔ اسی طرح بعد کے شارحین اس کتاب کے حوالے اپنی اپنی شرح میں دیتے نظر آتے ہیں۔ صاحب مرقاۃ المفاتیح اکثر اس کا حوالہ دیتے نظر آتے ہیں۔ لیکن وہ قال البیضاوی کہہ کر اس جانب اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً:

قال القاضي البیضاوي : الشهید فعیل من الشهود۔ [6]

قاضی بیضاوی نے الشہید کو شہود سے بروزن فعیل قرار دیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی نسبت امام بیضاوی کی جانب ہونا علماء کے ہاں معروف و متعین ہے۔

عمومی اسلوب و منہج

مصنف اپنی تحریر و تقریر میں جو انداز اپناتا ہے اسے اسلوب و منہج کہتے ہیں۔ عام طور پر اہل قلم اپنے انداز اور اسلوب کو مقدمہ میں واضح کر دیتے ہیں۔ لیکن کچھ مصنفین ایسا نہیں بھی کرتے۔ امام بیضاویؒ نے بھی ابتدائی مقدمہ میں صرف مقصد کتابت کو انتہائی بلیغ زبان میں واضح کیا ہے۔

مقصد کتابت اور بلیغ خطبہ

امام بیضاویؒ چونکہ عربی زبان وادب کے امام ہیں اس لیے خطبہ میں اس صنعت کا اظہار کرتے ہیں اور قدماء میں یہ چلن رہا ہے کہ وہ آغاز کتاب میں نفیس ادبی خطبہ لکھتے ہیں۔ اس خطبہ کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

بحمد الله ومنه استرفد و بحسن توفیقه استنجد و علی سوابغ لطفه استند و فی اوضح سبیله بابین دلائله استرشد ثم الی الله سبحانه ارغب في تیسیرهاهممت به من تفسیرمعوصات کتاب

(المصابيح)المقتبسة من النورا لعلوى وحل مشكلاته وابانة معضلاته واستكشاف اسراره و استيقاد انواره وترق بمراق الفكرالى عوالي الدرجات بلغه الله اقصى الغايات ووفقه لاستجماع انواع الكمالات ودليلالي يوم القيامة يهديني۔[7]

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے ساتھ، اسی کے فضل کا امیدوار ہوں، اور اس کی بہترین توفیق سے مدد طلب کرتا ہوں، اور اسی کے عظیم لطف پر بھروسہ رکھتا ہوں، اور اس کے روشن راستے میں اس کی نشانیاں دیکھ کر رہنمائی حاصل کرتا ہوں۔ پھر اللہ سبحانہٗ سے اس کام کو آسان بنانے کی امید کرتا ہوں، جو میں نے "کتاب المصابیح" کی مشکل عبارتوں کی تفسیر، اس کی مشکلات کو حل کرنے، اس کی پیچیدگیوں کو واضح کرنے، اس کے اسرار کو دریافت کرنے، اور اس کے انوار کو روشن کرنے کے لیے شروع کیا ہے تاکہ فکر کی سیڑھیوں سے بلند درجات کی طرف ارتقا حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے (مجھے) اعلیٰ مقاصد تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر طرح کی کمالات کی جامعیت نصیب کرے اور روزِ قیامت میرا رہنما ہو اور مجھے ہدایت دے۔

خطبہ میں عربی الفاظ اور فواصل میں موافقت زبردست ہے۔ مزید الفاظ کی معنویت کیلئے الفاظ کو ان کی خصوصیات کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ باب استفعال کی صنعت ہی مبالغہ اور کثرت کیلئے ہے۔ اس کا استعمال بہت شاندار ہے۔ حمد و ثناء میں اللہ کے لطف و کرم کا اظہار ہے۔ حسن توفیق سے مدد کا انداز عیاں ہے۔ درست راستے پر دلائل سے قائم کرنے کا اظہار بھی کیا ہے۔ مصابیح السنہ کے لاینحل پہلوؤں کی تفسیر اور مشکلات کے کشف کا ارادہ اور اس کے اسرار و انوار کو پوری طرح واضح کرنے کا عزم ہے۔ قاری کو فکر کی بدولت بلند درجات اور انتہائی اونچائی تک لیجانے کا عزم ہے اور اس کے نتیجہ میں جمیع کمالات کا اللہ سے حصول یہ مقصد ہے۔ قیامت کے روز اپنے لیے اس کے ذریعے نور و دلیل حاصل کرنے کی سعی ہے۔ مصنف کی تقدیم سے تین مقاصد کا اظہار ہوتا ہے:

1. مصابیح السنہ کی معضلات و مشکلات کا حل و تفسیر۔
2. قاری کے لیے فکر کی راہ روشن کرکے اسے درجہ علیا تک پہنچانا۔
3. اپنے لیے روز آخرت ذخیرہ و نور جمع کرنا۔

ان مقاصد میں ایک مقصد ایسا ہے جو آپ کی کتاب کا بنیادی اسلوب بھی بن گیا ہے۔

تہذیب و اختصار

چونکہ مقصد مشکلات کی تفسیر ہے لہٰذا آپ تمام روایات کی شرح نہیں کرتے بلکہ منتخب روایات کی شرح کرتے ہیں اور شرح بھی فقط مقامات غامضہ کی ہی کرتے ہیں۔ یوں تہذیب و اختصار کے باب میں دو بنیادی جہات کا تتبع ہمیں نظر آتا ہے:

1. منتخب روایات کی شرح
2. غوامض کی شرح

ویسے تو مصابیح السنہ کی احادیث کی تعداد 4717 یا 4931 ہے لیکن آپ نے شرح تو مکمل کتاب کی فرمائی۔ مگر ان میں سے احادیث کا انتخاب کیا۔ یوں آپ نے فقط 1599 احادیث کی شرح کی اور آپ کی کتاب تین جلدوں تک محیط رہی۔ دوسرے پہلو کے اعتبار سے بعض روایات کو چھوڑ کر تقریباً تمام روایات میں محض اشکالات والے مقام کو لیتے ہیں اور شرح فرماتے ہیں۔ ایسی حدیث لیں گے جس میں کوئی ظاہری اشکال ہو یا کسی لفظ اور مسئلہ میں تفسیر و تبیین کی ضرورت ہو۔ کئی روایات میں آپ کی شرح محض تین سے

چارلائنوں پر مشتمل ہوتی ہے۔مثال کے طور پر تحفۃ الابرار کی حدیث نمبر 159 باب التیمم میں ہے۔عمار رضی اللہ عنہ اپنے ایک سریہ میں ہونے اور جنبی ہونے کا ذکر کرتے ہیں اور مٹی میں لوٹ پوٹ ہو کر نماز ادا کرنے کی بابت رسول اللہ ﷺ سے استفسار کرتے ہیں۔تو نبی مکرم ﷺ انہیں تیمم کا طریقہ سکھلاتے ہیں۔اس کی شرح محض چارلائنوں پر مشتمل ہے۔امام بیضاوی لکھتے ہیں:

التمعک : التقلب فی التراب والتمرغ فیه۔[8]

تمعک سے مراد مٹی میں لوٹ پوٹ ہونا ہے۔

یہاں آپ نے لفظ کی تفسیر فرمائی۔اس کے بعد تیمم سے متعلق چند فوائد اور اختلاف ذکر کر کے اپنی ترجیح کا اظہار کیا۔

مقدماتِ علمیہ کی تشکیل

امام بیضاویؒ نے آغاز کتاب میں چار علمی مقدمات قائم کیے ہیں۔پہلے مقدمہ میں اپنی سند اور روایت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کے مختلف طرق ہیں:

اجلها و اقواها:انی قدقرأته وسمعته مرارا علی والدي مولالی ولی الله الوالی قاضی قضاة الاعظم السعيد امام الحق والدين الى القاسم عمر بن المولى العلامة قاضي قضاة المغفور له فخر الدين ابى عبد الله محمد بن الامام الماضى صدر الدين ابى الحسن على وهو يرويه عن والده المذكور لقبه واسمه ونسبه وعن عمه اقضى القضاة السعيد ابى نصر احمد بن على وعن الامام القاضي عبد المحسن بن ابى العميد الأبهرى وعن الصدر السعيد فنا خسروبن خسرو وعن الامام زين الدين على بن ابراهيم البيضاوي وهؤلاء يروونه عن الامام الحافظ الناقد إلى موسى محمد المديني عن مؤلف الامام محيى السنة ناصر الحديث إلى محمد الحسن بن مسعود الفراء البغوى۔[9]

سب سے واضح اور قوی طریق درج ذیل ہے:بیضاویؒ اپنے والد گرامی ابو القاسم عمر سے کئی مرتبہ اسے سنتے ہیں۔وہ اپنے والد فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن الامام سے بیان کرتے ہیں۔اسی طرح ان کے والد اپنے چچا شمس الدین ابو نصر احمد بن علی سے اور عبد المحسن بن ابی العمید سے اور کافی الدین فناخسرو بن خسرو سے اور علی بن ابراہیم البیضاوی سے بھی روایت کرتے ہیں۔یہ تمام ابو موسی محمد المدینی سے اور وہ امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی سے بیان کرتے ہیں۔

اس طرح اس سند میں امام بیضاویؒ اور امام بغوی کے درمیان تین واسطے ہیں۔جبکہ والد کی اسناد مختلف ہیں۔اس کا ایک خاکہ آسانی کیلئے ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

- بیضاوی، عن ابی القاسم عمر عن محمد بن الامام عن ابی موسی محمد المدینی عن البغوي۔
- بیضاوی عن ابی القاسم عمر عن احمد بن علی عن ابی موسی محمد المدینی عن البغوی۔
- بیضاوی عن ابی القاسم عمر عن عبد المحسن بن ابی العمید عن ابی موسی محمد المدینی عن البغوی۔
- بیضاوی عن ابی القاسم عمر عن کافی الدین فناخسرو بن خسرو عن ابی موسی محمد المدینی عن البغوی۔
- بیضاوی عن ابی القاسم عمر عن علی بن ابراھیم عن ابی موسی محمد المدینی عن البغوی۔

دوسرا مقدمہ

دوسرے مقدمہ میں تمام فنون پر فن علم کی افضلیت پر شاندار بحث کی ہے۔واضح کرتے ہیں کہ کتاب وسنت میں مواخاة

وتناسب ہے کیونکہ دونوں ایک ہی وادی سے جاری ہیں اور تمام علوم ان چشموں سے پھوٹتے ہیں۔ کیونکہ آیات وسنن عقائد ومعارف اور احوال وافعال الناس سے متعلق ہوتی ہیں۔ عقائد ومعارف کا علم علم الٰہی، علم اصول الدین اور علم الکلام کہلاتا ہے جبکہ افعال الناس سے متعلق علم دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے:

1. اعمال ظاہرۃ سے متعلق
2. احوال باطنہ سے متعلق[10]

تیسرا مقدمہ

اس مقدمہ میں کتاب وسنت کے مابین مناسبت پر بہت علمی بحث کی ہے۔ اور اس نقطہ نظر کو واضح کیا ہے کہ یہ دونوں وحی اور اس رتبے میں بالکل برابر ہیں۔ عقائد واحکام میں یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔ اس سے پہلے مقدمہ میں اسکی تین طرح کی تقسیم فرمائی تھی:

- عقائد۔
- احکام۔
- اخبار۔

اخبار امور غیبیہ ہیں جن پر اطلاع وحی کے ساتھ ہی ممکن ہے باقی دونوں اقسام میں مسائل کا صدور اگرچہ عقلی استدلال اور اجتہاد سے ممکن ہے لیکن "وما ینطق عن الهوى ان هوالاوحی یوحی"[11] کا ظاہر اسی بات کا متقاضی ہے کہ یہ ناممکن ہے۔ آپ کی بات کو وحی قرار دینا اس امر کو واضح کرتا ہے کہ وحی منزل کی صورت میں بالکل آیات جیسی ہیں۔ البتہ فرق کی وجوہ درج ذیل ہیں:

- قرآن معجزہ ہے۔ حدیث اعجاز اور تحدی (چیلنج) میں اس جیسی نہیں ہے۔
- قرآن کے الفاظ سے عبادت ہوتی ہے۔ اس لیے الفاظ کی تبدیلی جائز نہیں جبکہ سنن میں روایت بالمعنی کی قبیل سے الفاظ بدل سکتے ہیں۔
- قرآنی الفاظ لوح محفوظ میں مکتوب ہیں۔ جبریل علیہ السلام اور نبی ﷺ کیلئے ان میں تصرف قطعاً جائز نہیں۔ جبکہ احادیث میں احتمال ہے کہ جبریل پر معنی کا نزول ہوا ہو اور وہ اسے عبارت کی شکل دے کر رسول اللہ ﷺ کیلئے اسے بیان کریں یا پھر رسول اللہ ﷺ پر وحی کا القاء ہو اور نبی ﷺ اسے عبارت کا جامہ پہناتے ہوں۔[12]

امام بیضاویؒ نے اس مقدمہ میں حدیث رسول کی اہمیت اور مقام کو واضح اور احکام وعقائد میں اسے حجت کا مرتبہ دیا ہے۔

چوتھا مقدمہ

چوتھے مقدمہ میں امام بیضاویؒ نے اصول حدیث سے متعلق جامع بحث کی ہے۔ دوران شرح وہ حدیث سے متعلقہ اصطلاحات کا استعمال شاذ ونادر ہی کرتے ہیں۔ لیکن اس مقدمہ میں اصولی بحث کر کے اپنا حق ادا کر دیا ہے اور اس بحث سے علم حدیث میں آپ کی بصیرت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اس ضمن میں آپ کے افکار کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کی جانب منسوب ہر بات صدق پر مبنی ہو، ایسا ضروری نہیں۔ اس صورت میں ہر بات سے استدلال بھی جائز نہیں کیونکہ آپ کی جانب کذب بھی منسوب ہوتا ہے۔ دوسرا ہر بات صدق پر مبنی نہیں ہوگی اس کی کچھ وجوہات ہیں جنہیں ہم حدیث کے روایتی ودرایتی اصول کہہ سکتے ہیں۔ اس کو امام بیضاوی نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

اوّل: ثقات کی جانب سے غلطی

اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

- راوی کا نسیان۔
- لفظی التباس۔
- تعبیر عبارت اور نقل معنی میں خطا۔
- حکایت کو اصلاً قرار دینا۔
- حدیث کے مخصوص سبب ورود کو بھولنا۔

دوم: قصداً

اس صورت میں ارادۃ راوی حدیث میں غلطی کرتا ہے اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

- ملحدین کی جانب سے دین میں طعن کیلئے۔
- متعصب گمراہ لوگوں کی جانب سے اپنے مذہب کی تائید میں۔
- جہلاء قصہ گو حضرات کی جانب سے ترغیب و ترہیب کیلئے۔
- مال و جاہ کے پجاریوں کا حکام کی قربت کیلئے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی جامعیت سے امام بیضاوی نے اسباب وضع و کذب کو بیان کیا ہے۔ اس کے بعد احادیث کو تین اقسام میں منقسم کر کے وضاحت کرتے ہیں:

- **جس کا صدق معلوم ہو:** کثرت رواۃ کی بدولت متواتر ہوتی ہے۔
- **جس کا کذب معلوم ہو:** قطعیت کے مخالف ہونے کی بدولت موضوع کہلاتی ہے۔
- **جس کا حال معلوم نہ ہو:** اس کی تین اقسام ہیں:
  1. راجح الصدق
  2. راجح الکذب
  3. مستوی الطرفین

پہلی قسم میں صحاح اور حسان درجہ کی روایات ہیں اور مشہور و غریب بھی ہیں۔ دوسری قسم میں ضعیف و منکر روایات ہیں۔ جبکہ تیری قسم میں مرسل، منقطع، معضل وغیرہ روایات ہیں۔[13] اس طرح امام بیضاویؒ نے مباحث حدیثیہ کے ضمن میں ایک جامع خاکہ پیش کر دیا ہے جو طلاب اور اہل علم کیلئے بہت مفید ہے اور بہت بصیرت و اجتہاد سے سے اسے تشکیل دیا گیا ہے۔ یہاں تک روایت و درایت کے اصولوں کو یکساں سامنے رکھا گیا ہے۔

اصول حدیث کی ابحاث مع تعلیلات

بعض اوقات اصول حدیث کی بحث کرتے ہوئے ان کی تعلیلات، اسباب اور فوائد بھی ذکر کرتے ہیں۔ اس ضمن میں سے درج ذیل امثلہ قابل غور ہیں۔

پہلی مثال

امام بغویؒ نے مقدمہ میں واضح کیا کہ بعض دواعی کی وجہ سے میں صحابی کا نام ذکر کروں گا۔ پوری بصیرت سے امام بیضاویؒ نے ان دواعی اور علل کو واضح کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

لذكر الصحابى فوائد : الاولى: معرفة الناسخ والمنسوخ لانه اذا تعارض خبران۔ والثانية :التنبيه على رجحان الخبر بحال الراوى من علمه وزيادة ورعه۔ والثالثة: ان الحديث الواحد قد يروى عن جماعة بطرق مختلفة ۔والرابعة : ان المعاني المتقاربة قد تروى عن اشخاص من الصحابة بالفاظ متفاوته۔[14]

صحابی کے نام کا تذکرہ کرنے سے چار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ 1۔ ناسخ اور منسوخ کی معرفت، کیونکہ دو متعارض احادیث کے متعلق جب معلوم ہو جائے کہ ایک کے راوی (صحابی) کی نبیؐ سے محدود زمانے کی صحبت ہے، جبکہ دوسری حدیث کا راوی (صحابی) اس کی صحبت کے اختتام کے بعد اسلام لایا ہے تو علم ہو جائے گا کہ پہلی روایت دوسری سے منسوخ ہے۔ 2۔ راوی سے متعلق اس کے زہد وورع، زیادتی علم اور بلند درجہ کا علم ہونے سے خبر میں ترجیح کا عمل ممکن ہو سکے گا۔ 3۔ ایک حدیث مختلف طرق سے ایک جماعت بیان کرتی ہے۔ بعض پر طعن ہوتا ہے تو اس طعن سے بچنے کیلئے اسے دوسرے کی جانب منسوب کیا جاسکتا ہے۔ 4۔ مختلف صحابہ سے متفاوت الفاظ میں کئی تعبیرات منقول ہو تو ایک صحابی کا نام ذکر کر کے اس کی عبارت کی تخصیص ہو سکتی ہے۔

دوسری مثال

ایک اور مقام پر امام بغویؒ فرماتے ہیں:

وما كان فيها من ضعيف او غريب اشرت اليه۔[15]

ضعیف اور غریب حدیث کی جانب میں اشارہ کروں گا۔

اس پر امام بیضاوی کے کلام کا حاصل ہے کہ حدیث کی اقسام مع تعریفات پہلے گزر چکی ہیں کوئی معترض یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ جب آپ کی ذکر کردہ تشریح کے مطابق ضعیف درجہ اعتبار اور احتجاج سے ساقط ہے تو امام بغویؒ کیونکر اسے یہاں ذکر کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ضعیف راوی پر طعن کی بدولت ہے۔ کسی شخص کی جرح ضروری نہیں ہر ایک کے ہاں معتبر ہو۔ کیونکہ اسباب جرح کا میدان بہت وسیع ہے۔ امکان ہے کہ ان کے ہاں ضعیف حدیث دوسروں کے ہاں ضعیف نہ ہو۔ بلکہ دیگر کے ہاں وہ مسائل کی بناء ہو۔ بہت سے اختلافات کا نتیجہ ایسا ہوتا ہے۔ شیخ کا اسے کتاب میں ذکر کرنا تعمیم نفع کیلئے ہے اور ضعف کی جانب اشارہ کر کے اپنے ہاں ضعیف مراد ہے۔ ویسے بھی ایسی بہت سی ضعیف احادیث ہیں جن سے لوگ استشہاد کرتے ہیں اور وہ عوام میں مشہور بھی ہیں تو انہیں مع ضعف بیان کر کے اس تباہی کا ازالہ بھی مقصود ہے۔[16] یہاں بیضاویؒ نے تحقیق کا معیار واضح کیا کہ قدح ہر ایک کے ہاں معتبر ہونا ضروری نہیں۔ لہذا اس کیلئے جرح کا مطالعہ ضروری ہے۔ مزید بر آں ضعیف حدیث کی شہرت آپ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔ استشہاد تو پھر بالاولیٰ ناپسندیدہ ہے۔

حکم الحدیث اور توضیح

امام بیضاویؒ مختلف احادیث سے متعلق حکم کی بھی توضیح کرتے ہیں۔ کبھی کبھی کسی حکم سے متعلق وجہ بھی ذکر کرتے ہیں جو

حکم امام بغویؒ نے لگایا ہو۔ اس ضمن میں دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

- پہلی مثال حدیث نمبر 1278 ہے کہ "لا يدخل الجنة الجواظ ولا الجعظري"[17] اس کی شرح کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ عکرمۃ بن وھب صحابہ کی جماعت میں شامل نہیں ہیں۔[18] اس مقام پر حکم الحدیث اور وجہ ارسال دونوں واضح کیے ہیں۔
- دوسری مثال حدیث نمبر 1549 ہے جو کہ عبد اللہ بن حنطب سے ہے: ان النبيﷺ رأى ابابكروعمرفقال هذان السمع والبصر "مرسل"[19] اس حدیث کی شرح کرنے کے بعد آخر میں امام بغویؒ کے ذکر کردہ حکم مرسل کی علت یہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے کہ اس راوی نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا۔[20]

سند پر بحث

امام بیضاویؒ کئی دفعہ سند پر بھی بحث کرتے ہیں اور دقت نظر سے حکم مترشح کرتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث نمبر 136 میں عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند پر یوں بحث کرتے ہیں:

والحديث مسند ان كان الضمير في (جده) راجعا إلى ابيه ومرسل ان كا راجعا الى عمرو لان جده محمد بن عبد الله بن عمرو ، وهوليس الصحابي ۔[21]

یہ حدیث مسند ہو گی اگر جدہ کی ضمیر (ابیہ) کی جانب لوٹے اور مرسل ہو گی اگر (عمرو) کی جانب لوٹے۔ کیونکہ اس کے دادا محمد بن عبد اللہ بن عمرو ہیں جو کہ صحابی نہیں ہیں۔

یوں اس حدیث پر بھی سندی بحث کر کے اپنے علم حدیث میں ماہر ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ لہذا امام بیضاویؒ اسناد پر صحت وضعف کے اعتبار سے ہونے والے طعن کو بھی واضح کرتے ہیں۔

تراجم رواۃ کا تذکرہ

کئی دفعہ امام بیضاویؒ رواۃ اور صحابہ کے تراجم بھی ذکر کرتے ہیں جیسا کہ حدیث نمبر 149 کے تحت السائب بن یزید کا ترجمہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ سائب کنانی ہے۔ کہا گیا ہے کہ میں بنو امیہ کے حلیف تھے۔ اور ابن الزبیر کے ساتھ پیدا ہوئے۔ 2ھ کو پیدا ہوئے اور 86ھ کو یا 91ھ کو فوت ہوئے۔ ان کی خالہ النمر بن قاسط الکندی کی بہن ہے۔[22]

مسائل اعتقادیہ میں اسلوب

امام بیضاویؒ متکلم کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں۔ آپ کلامی اور اعتقادی مباحث میں گفتگو کا ملکہ رکھتے ہیں۔ آپ کا اشعری مسلک کی جانب میلان ہے اس لیے صفات کی تاویل کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی اصولی ہے کہ اشاعرہ سات صفات کو اللہ کیلئے ثابت مانتے ہیں۔ ان کے علاوہ صفات خبریۃ وفعلیہ کی تاویل کرتے ہیں۔ وہ سات صفات درج ذیل ہیں:

1. قدرت
2. ارادۃ
3. حیاۃ
4. علم
5. کلام

6. سمع
7. بصر

اس ضمن میں ذہبی لکھتے ہیں:

فالصفات الثبوتيةعند متأخرى الاشاعرة هي الحياة والعلم والقدرة، والارادة والسمع والبصر والكلام وزاد الباقلانى و امام الحرمين الجويني صفة ثامنة هي الادراك۔[23]

متاخرین اشاعرہ کے ہاں ثبوتی صفات سات ہیں(ان کا ذکر اوپر ہو چکا ہے)امام باقلانی اور امام الحرمین الجوینی نے آٹھویں صفت(ادراک)کا بھی اضافہ کیا ہے۔

امام بیضاویؒ بھی اسی نہج پر قائم ہیں۔امثلہ ملاحظہ کریں:

مثال اوّل: حدیث نمبر(771)میں ایک لونڈی سے رسول اللہ ﷺ کا سوال تھا۔"اين الله؟فقالت في السماء"[24]

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے امام بیضاویؒ کے کلام کا حاصل ہے کہ نبی ﷺ کا اس سوال این اللہ اور ایک روایت کے مطابق این ربک؟ اللہ کے مکان سے متعلق استفسار کے بارے میں نہیں ہے۔اللہ تو ایسی چیزوں سے پاک ہے اور رسول ﷺ اس طرح کے سوالات کرنے سے بہت بلند ہے۔درحقیقت کفار بتوں کے پجاری تھے۔ان کی تعظیم کے قائل تھے۔اس کے علاوہ ان کے جہال کے ہاں کوئی معبود نہیں تھا۔تو اللہ کے رسول ﷺ نے یہ سوال کر کے یہ جاننا چاہا کہ وہ کس کی عبادت کرتی ہے۔جب اس نے آسمان کی جانب اشارہ کیا تو اس سے زمینی خداؤں کی نفی کر کے اس نے اپنے ایمان کا اظہار کر دیا۔اس نے اللہ کیلئے مکان ثابت نہیں کیا اور اس نے اپنی عقل و فہم کے مطابق یہ حقیقت واضح کی کہ وہ اللہ آسمان سے زمین کے امور کی تدبیر کرتا ہے۔تو آپ ﷺ نے اسی پر قناعت کی۔اسی کے آپ مکلف تھے کہ لوگوں سے ان کی عقول وافہام کے مطابق بات کریں۔یہاں آپ ﷺ نے اسے تنزیہ کی حقیقت کا مکلف نہیں بنایا۔[25]

مثال دوم: حدیث نمبر 433 عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔"ثلاث تحت العرش يوم القيامة" قیامت کے روز تین چیزیں عرش کے نیچے ہوں گی" قرآن، امانت، رحم"اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عرش کے نیچے ہونے سے مراد اعتباریت، قربت اور رتبہ کے لحاظ سے اللہ کے ہاں خاص ہونا ہے۔[26]

مزید یہاں تشبیہ سے کام لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

كما هو حال المقربين عند السلطان الواقفين تحت عرشه الملاز مين لحضرته۔[27]

ان کی حفاظت کرنے والے اور ان میں سستی کرنے والے اپنے اپنے بدلے دیے جائیں گے جیسا کہ بادشاہ کے مقربین ہوتے ہیں جو عرش کے نیچے کھڑے رہتے اور اس کی مجلس سے چمٹے رہتے ہیں۔

ان کے تعلق، ان سے اعراض، ان کی قدر و شکایت کا اس کے ہاں بہت نفوذ ہوتا ہے۔اس مقام پر بیضاویؒ نے عرش کی تاویل کی ہے اور مزید اسے تشبیہ سے واضح کرنے کی بھی سعی کی ہے۔

کلامی مسائل میں بسط و تفصیل

امام بیضاویؒ مسائل کلامیہ میں بھی بعض مقامات پر بسط و تفصیل سے بحث کرتے ہیں اور اشاعرہ کی ترجمانی کرتے ہیں۔انہی کے موقف کے حامی نظر آتے ہیں مزید برآں مخالفین پر رد بھی کرتے ہیں۔اس ضمن میں پہلی ہی حدیث کے تحت ایمان و اسلام کے

فرق اور اعمال ایمان کا حصہ نہیں ہیں، سے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الاسلام هو الانقياد والاذعان يقال:سلم واسلم واستسلم اذاخضع واذعن:ولذلك اجاب عنه بالاركان الخمسة: وهذاصريح بأن الاعمال خارجة عن مفهوم الايمان وان الاسلام و الايمان متباينان كمااشعربه قوله تعالى(قل لم تؤمنواولكن قولوااسلمنا)واليه ذهب ابوالحسن الاشعرى وقال بعض المحدثين وجمهور المعتزلة الايمان والاسلام عبارتان عن معبر واحد، ويرد عليهم۔[28]

اسلام سے مراد انقیاد و خضوع ہے۔جب کوئی عاجز ہو جاتا ہے تب اس کے لیے سلم، اسلم اور استسلم کے الفاظ مستعمل ہوتے ہیں۔اسی لیے جبریل کے جواب میں آپ ﷺ نے ارکان خمسہ کا تذکرہ کیا۔ایمان کے بعد اسلام سے متعلق سوال و جواب کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اعمال مفہوم ایمان سے خارج ہیں اور اسلام و ایمان آپس میں متباین ہیں۔اللہ کے فرمان (اے نبی کہہ دو تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم کہو کہ ہم اسلام لائے) سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔ابو الحسن اشعریؒ کا موقف بھی یہی ہے۔ بعض محدثین اور جمہور معتزلہ ایمان و اسلام کو ایک مانتے ہیں جس کیلئے وہ تصدیق بالجنان، اقرار باللسان اور عمل بالارکان کے مجموعہ کو اسلام و ایمان کہتے ہیں۔

ان کی تردید یوں ہے کہ قرآن میں متعدد مقامات پر اعمال صالحہ کرنے اور اعمال سیئہ سے رکنے کا عطف ایمان پر ہے۔اگر ایمان میں اعمال شامل ہوتے تو یہ ترکیب اچھی نہیں بنتی۔

ملاحظہ

یہاں امام بیضاویؒ کی دقت نظر اور اصول و فنون میں پختگی کا اظہار ہے۔کیونکہ عام قاعدہ یہ ہے کہ عطف تغایر کا متقاضی ہوتا ہے۔تو ایمان پر اعمال کے عطف سے تغایر لازم آئے گا۔اس کے بعد فرماتے ہیں کہ محدثین پر بطور خاص یہ رد بھی ہے کہ اس صورت میں فاسق کو فسق کی بدولت مومنین کی جماعت سے باہر کرنا چاہیے۔جیسا کہ معتزلہ کا نظریہ ہے۔لیکن محدثین اس سے سخت انکاری ہیں۔

اس کے بعد اس نظریہ پر وارد ایک سوال کا جواب دیتے ہیں کہ ایمان اور اسلام متابین ہیں تو پھر نقص و زیادت کیسے ممکن ہے؟ حالانکہ اللہ کا فرمان ہے "وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا"[29] اور اہل ایمان اپنے ایمان میں بڑھ جاتے ہیں۔اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ایمان میں زیادتی سے مراد تصدیق کی بڑھوتری ہے جو ایک آیت کے بعد دوسری آیت کے نزول سے حاصل ہوتی ہے۔کیونکہ جب وہ ایک آیت پر ایمان لے آتے ہیں اس کے بعد دوسری نازل ہونے والی آیت پر بھی ایمان لے آتے ہیں تو اس طرح ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔[30] غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بیضاوی کلامی مسائل پر خوب بحث کرتے ہوئے مخالفین کی تردید عقلی و نقلی دلائل سے کرتے ہیں۔

فرق کلامیہ کا تذکرہ

عقائد کی بحث میں کلامی فرقوں کا بھی تذکرہ کرتے ہیں اور تردید بھی کرتے ہیں۔اس سے قبل مسئلہ کلامیہ میں معتزلہ کا تذکرہ ہوا ہے۔اس ضمن میں ایک دوسرے مقام پر مرجعہ اور قدریہ کا تذکرہ کرتے ہیں:

المرجئة - بالهمزة القائلون بالجبر الصرف المنكرون للتكليف سموا بها لانهم اخروا امر الله ولم يعتبروه من أرجاء إذا أخر والقدرية المنكرون للقدر القائلون بان افعال العباد مخلوقة بقدرهم ودواعيهم لا يتعلق بخصوصها قدرة الله وارادته نسبوا الى القدر لان بدعتهم نشأت

من قولهم في القدر۔[31]

مرجئہ اسے ہمزہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ یہ جبر محض کے قائل ہیں اور تکلیف (مکلف ہونے) کے منکر ہیں۔ انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ انہوں نے اللہ کے حکم کو مؤخر کر دیا ہے اور اسے معتبر نہیں سمجھا۔ یہ لفظ ارجا بمعنی اخر (موخر کرنا) سے ماخوذ ہے۔ جبکہ قدریہ تقدیر کے منکر ہیں۔ اس بات کے قائل ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں۔ اس میں اللہ کی قدرت اور ارادے کا کوئی دخل نہیں۔ انہیں قدر کی جانب نسبت ہے کیونکہ ان کی بدعت تقدیر کے معاملے میں بحث سے ہی پیدا ہوئی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر معتزلہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقوله ادخله الله الجنة على ما كان من العمل - دليل على المعتزلة في مقامين - احدهما ان العصاة من اهل القبلة لا يخلدون في النار لعموم قوله (من شهد) وثانيهما : انه تعالى يعفو عن السيئات قبل التوبة واستيفاء العقوبة ۔[32]

حدیث کے اس قطعہ سے معتزلہ کے خلاف دو مقامات پر دلیل ہے۔ پہلی یہ کہ اہل قبلہ میں سے نافرمان ابدی جہنمی نہ ہوں گے۔ اس پر شاہد اسی حدیث کا لفظ (من شھد) ہے۔ اس قول کے عموم کی بدولت تمام اہل قبلہ و مسلمان اس میں شامل ہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ توبہ اور عقوبت سے پہلے ہی اللہ گناہ معاف کر دے گا۔

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ کلامی فرق کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ ان کی آراء، تردید اور تعارف وغیرہ بھی ذکر کرتے ہیں اسی طرح اشاعرہ کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ اس جانب ابو الحسن اشعری کا نام لیکر اشارہ کرتے ہیں۔ اور ان کی فکر کو دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ یوں آپ اعتقادی وکلامی مسائل میں اشعریت کی جانب مائل دکھائی دیتے ہیں۔

حاصل بحث

زیرِ نظر مقالہ میں امام بیضاوی کی شرح تحفۃ الابرار کے عمومی اسلوب کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس میں تعارف، اہمیت، مقصد تالیف اور بلیغ خطبہ، تہذیب و اختصار، مقدمات علمیہ کی تشکیل، اصول حدیث کی ابحاث، حکم الحدیث، سند پر بحث، تراجم ورواۃ کا ذکر، مسائل اعتقادیہ میں اسلوب، کلامی مسائل میں بسط وتفصیل اور فرق کلامیہ کا تذکرہ شامل ہے۔ شرح کے آغاز میں چار علمی مقدمات شامل کیے گئے ہیں جن میں اصول حدیث، تدوین حدیث اور مصطلحات کی وضاحت کی گئی ہے۔ ان کے اجتہادی اسلوب میں علمی گہرائی اور تنقیدی بصیرت جھلکتی ہے۔ شرح میں بعض مقامات پر معتبر مصادر جیسے الفائق، معالم السنن اور الصحاح سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ حدیث کے تراجم اور ترتیب میں ربط اور مناسبت کا خیال رکھا گیا ہے۔ امام بیضاویؒ کا اسلوب مختصر مگر معنویت سے بھرپور ہے، جسے بعد کے محدثین نے قابلِ اعتماد ماخذ کے طور پر اختیار کیا۔ یہ مقالہ تحفۃ الابرار کے اس منفرد اسلوب اور علمی افق کو واضح کرتا ہے جس نے اسے ایک ہمہ جہت شرح بنا دیا۔

حوالہ جات وحواشی

1 السبکی، تاج الدین عبد الوھاب، **طبقات الشافعية الكبرىٰ**، (مصر: دار ھجر لطباعۃ، 1413ھ)، 8/157۔

2 سراج الاسلام، **شرح المصابیح کا تحقیقی مطالعہ: تسوید وتوقیق**، (پشاور: جامعہ پشاور، 2005-2006)، ص15۔

3 حاجی خلیفہ، کشف الظنون،(لندن:مؤسسۃ الفرقان،2021ء)،6/503۔

4 کحالۃ، عمر رضا،معجم المؤلفین،(بیروت: مکتبۃ المثنی، سن ندارد)،6/98۔

5 البیضاوی،عبد اللہ بن عمر، تحفۃ الابرار،(کویت:ادارہ الثقافۃ الاسلامیۃ،2012)،1/4۔

6 ملا علی القاری، علی بن محمد،مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح،(بیروت:دار الفکر،2002ء)،6/2469۔

7 البیضاوی،تحفۃ الابرار،1/3۔

8 ایضاً،1/219۔

9 ایضاً،1/4۔

10 ایضاً،1/9۔

11 سورۃ النجم53:3-4۔

12 البیضاوی،تحفۃ الابرار،1/9۔

13 ایضاً،1/10۔

14 ایضاً،1/17۔

15 البغوی، حسین بن مسعود،شرح السنۃ،(بیروت:المکتب الاسلامی،1983ء)،1/110۔

16 البیضاوی،تحفۃ الابرار،1/17۔

17 البغوی،مصابیح السنۃ،3/397۔

18 البیضاوی،تحفۃ الابرار،3/274۔

19 البغوی،مصابیح السنۃ،4/163۔

20 البیضاوی،تحفۃ الابرار،3/547۔

21 ایضاً،1/194۔

22 ایضاً،1/208۔

23 الذہبی،ابو عبد اللہ محمد بن احمد،العرش،(السعودیۃ:عمادۃ البحث العلمی،2003ء)،1/106۔

24 البغوی،مصابیح السنۃ،2/460۔

25 البیضاوی،تحفۃ الابرار،2/395۔

26 ایضاً،1/530۔

27 ایضاً۔

28 ایضاً،1/30۔

29 سورۃ المدثر74:31۔

30 البیضاوی،تحفۃ الابرار،1/32۔

31 ایضاً،1/109۔

32 ایضاً،1/64۔